اُس کے جنوں کی داستان :

اسرار الحق مجاز

اقبال نے تمنا کی تھی

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں

اور اللہ میاں نے اسرار الحق مجاز کو پیدا کر دیا ۔

مجاز کی شاعری نے اردو ادب کو کیا دیا ؟ ------ یہ تو ایک لمبی کہانی ہے جس کے مختلف ٹکڑے سجاد ظہیر، فیض، عزیز احمد اور دوسرے نقاد کہیں کہیں سے ہمیں سنا چکے ہیں ۔ لیکن اس لمبی سی ناک والے رومانوی شاعر کی شخصیت کی چند جھلکیاں ہمیں سب سے پہلے عصمت چغتائی نے دکھائیں ۔ عصمت نے مجاز کو قریب سے نہیں دیکھا لیکن اس کے مشاہدے کی تیزی ــ اس پر تو آپ بھی ایمان لے آئے ہوں گے ۔ اس نے مجاز کا ذکر کچھ اس افسانویت کے ساتھ کیا ہے کہ وہ چند جھلکیاں پوری شخصیت نظر آتی ہیں ، اور وہ شاعر کچھ مجسم سا ہو کر سامنے آ جاتا ہے جس سے شادی کرنے کیلئے علی گڑھ کالج کی لڑکیاں لاٹری ڈالا کرتی تھیں ۔ یہ سب صحیح لیکن مجاز کے بارے میں ابھی بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے ۔

سوئفٹ نے تھیکرے کے بارے میں لکھا تھا یا تھیکرے نے سوئفٹ کے بارے میں --- یہ تو مجھے یاد نہیں رہا ، لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ لکھا تھا ۔

He is like an empire falling

ان پانچ الفاظ میں کسی کی شخصیت اور اس کے عروج و زوال کی کتنی مکمل اور بھرپور تصویر ہے ۔

یہ فقرہ پڑھتے ہی مجاز کی پوری شخصیت میرے سامنے آ جاتی ہے ۔

شراب ، بیروزگاری اور بے مقصدی نے مجاز اور اس کے فن کو کچل دیا لیکن پوری طرح نہیں ، کسی حد تک ۔ آج بھی جب وہ سنبھل جاتا ہے اس کے نغمے دوسروں کی شہنائیوں کو کچل دیتے ہیں ۔

مجاز کی بنیادی شخصیت ہمیشہ ایک رہی، اس کا مزاج ایک رہا ۔ ادب میں بھی ، زندگی میں بھی ۔۔۔۔ لیکن خارجی حالات اور ماحول نے اس کے حالات اور ماحول کو بدل دیا ۔ لیجئے ذرا اس کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو دیکھئے ۔

خوب پہچان لو اسرار ہوں میں
جنسِ الفت کا طلبگار ہوں میں
اک لپکتا ہوا شعلہ ہوں میں
ایک چلتی ہوئی تلوار ہوں میں

پھر علی گڑھ کی زندگی

یہ میرا چمن ہے میرا چمن، میں اپنے چمن کا بلبل ہوں

پھر مجاز کی سرمستی

یہ میری دنیا، یہ میری ہستی
نغمہ طرازی ، صہبا پرستی

پھر وہ منزل جہاں سے نشے کا اتار شروع ہوگیا ۔ "ابھی تو میں جوان ہوں" والی تھکن ۔ نوجوان یا جوان کبھی اعلانِ جوانی نہیں کرتا ۔

میں ہوں مجاز آج بھی زمزمہ سنج و نغمہ خواں

اور پھر

میں کہ خود اپنے مذاق طرب آگیں کا شکار

آپ مانیں یا نہ مانیں ، ان چند مصرعوں کے ذریعے میں نے مجاز کی ساری شخصیت آپ کے سامنے بے نقاب کر دی لیکن کچھ نہ کچھ مجھے لکھنا ہی ہے ۔ آپ کے لئے ، اپنے لئے ، مجاز کے لئے ۔

اونچی عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں سر سے ٹوپی نہ گر جائے اور اونچی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہوئے انتشار کا خطرہ ہوتا ہے ،

لیکن میں بے ربطی کو بھی سوانح نگاری کا نہیں تو شخصیت نگاری کا حسن ضرور سمجھتا ہوں اور مجاز کی شخصیت تو اس قدر دلچسپ ، منفرد ، چٹیلی اور بھرپور ہے کہ اس کا ذکر کہیں سے بھی شروع کیا جا سکتا ہے ۔

شراب، مجاز کی سب سے بڑی کمزوری بھی ہے اور سب سے بڑی قوت بھی ۔ شراب پی کر وہ اسٹیج پر پیشاب بھی کر دیتا ہے اور شراب پی کر وہ سچی بات کیلئے ہر کسی سے ٹکرا بھی جاتا ہے ۔۔۔ شام ہوئی اور مجاز نے اقبال کا شعر دہرایا ۔

وہی دیرینہ بیماری، وہی نا محکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

ادھر شام کے سائے گہرے ہونے لگتے ہیں اور ادھر مجاز شغل جام و مینا شروع کر دیتا ہے ۔ اگر مہمان ہوئے تو میزبان ان کی فرمائش پوری کرتا ہے ۔ میزبان نہ سہی تو دوست ۔ دوست نہ سہی تو کوئی مالدار قدردان ۔ اچھی شراب نہ سہی تو ٹھرا ہی سہی ۔ دردِ تہہ جام ہی سہی ۔ لیکن کچھ ہونا ضرور چاہئیے ۔۔۔ اور ایک ہی پیگ کے بعد مجاز کی شخصیت کے سارے رنگ نکھر پڑتے ہیں ۔

کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ

"آدمی کی پرکھ اس کے دوستوں کے مجمع میں ہو سکتی ہے یا اس وقت جب وہ شراب پئے ہو ۔"

شراب مجاز کے جمالیاتی احساس، گہرے مزاج، چھپے ہوئے کرب، اس کے فن، اس کی کمزوریوں غرضیکہ ہر چیز کو اجاگر کر دیتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر شراب پینے کے بعد کوئی ذرا اس کی خوش گفتاری اور گل افشانیٔ گفتار کو دیکھے ، ہر چیز پر تبصرے ، سیاست ، ادب، فلم ، معاشیات ۔۔۔۔ مجاز صاحب ہر چیز پر بولیں گے ۔

"قائد اعظم بہت گریٹ آدمی ہیں"

"گاندھی جی نہ جانے کیا ہیں"

"مہتاب اور سہراب مودی کی جوڑی اچھی ہے"

"اقبال کی کیا بات ہے۔حرف آخر ہے حرف آخر"

"فیض نے صرف ایک مصرع اچھا کہا ہے

گر مجھے اسکا یقیں ہو مرے ہمدم مرے دوست"

یہ تمام باتیں وہ اس تیزی کے ساتھ کر جاتا ہے کہ عام سننے والے سب کچھ سمجھتے ہوئے کچھ نہیں سمجھ پاتے۔

اس کی فطرت کی انسانی ہمدردی کو شراب بہت چمکا دیتی ہے، زندگی بھر خانقاہ کی صوفیانہ فضا میں رہنے کے باوجود مجاز کے ساتھ کئی بار شراب خانوں میں گیا۔ بیٹھا دیکھتا رہا اور سچ پوچھئے تو جب شراب خانے سے "خشک دامن" باہر نکلتا تو ایسا لگتا جیسے میں بہت بڑا آدمی ہوں، عام آدمیوں سے بڑا، اور عام شرابیوں کی طرح کبھی مجاز نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ

"تم بھی پیو"

ایک شام جب ہم ایک بہت گھٹیا قسم کے دیسی شراب خانے میں بیٹھے تھے اور مجاز دیسی شراب (ٹھرّے) سے اپنے کلیجے کو جلا رہا تھا، وہ ایک دم چیخ پڑا، "سنتے ہو، میری شراب نوشی میرا احساس شکست ہے، اعتراف شکست ہے۔ میں نے شراب میں پناہ ڈھونڈھی ہے۔ تم مجھ سے اونچے ہو، وہ سب مجھ سے اونچے ہیں جنہیں غم روزگار شراب نہ پلا سکا وہ لڑنا جانتے ہیں وہ عارضی بیگانگی کا سہارا نہیں لیتے۔ تم شراب ہرگز نہیں پینا۔ میں شراب تسکین کیلئے پیتا ہوں، اور اگر تمہیں نماز پڑھنے سے تسکین ہوتی ہے تو نماز پڑھو۔ وہ بھی تو بے خودی ہے۔ ہم دونوں کا مقصد ایک ہے راستے الگ ہیں۔ ہم دونوں گریٹ (Great) ہیں۔ سارے شرابی گریٹ ہیں اور سارے نمازی بھی۔"

شراب کی وجہ سے مجاز کی اس بات میں جو بہکا ہوا لہجہ ملتا ہے کیا اس سے قطع نظر اسکی یہ بات باعظمت نہیں۔

ایک اور شام ـــــــ ایک دیسی شراب خانے کا بوائے ایک بھوٹانی لڑکا تھا ۔ وہ شراب لیکر آیا ۔

مجاز نے پوچھا "تم پہاڑی ہو؟"

"جی ساب"

بس مجاز اس سے لپٹ گئے اور رونے لگے اور پھر ایک لمبی چوڑی تقریر شروع کردی ۔ اُکھڑے اُکھڑے لہجے میں وہ اتنی تیزی کے ساتھ بولتے ہیں جیسے کسی خاموش فلم کے منظر بڑی تیزی کے ساتھ دکھائے جا رہے ہیں ۔

"تم فرزند کہسار ہو ۔ تم نے پہاڑوں کے سینوں پر اپنے نشیمن بنائے ہیں ۔ تم ہی اقبال کے شاہین ہو اور ہر پہاڑی اقبال کا شاہین ہے ۔ اسی لیے تو اقبال شاہین اور پہاڑ کو لازم و ملزوم سمجھتا ہے ۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

اور تم بیدار کیوں نہیں ہوتے ؟ تم اس بار کے بوائے کیوں ہو ؟ ــــــ تم ہندوستان کے گورنر جنرل کیوں نہیں اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کا گورنر جنرل کیوں ہے ؟ اور وہ اس بار کا بوائے کیوں نہیں ؟ تم اقبال کا پیغام کیوں بھول گئے ۔

اپنی خودی پہچان او غافل افغان

تم بھی افغان ہو ۔ ہر پہاڑی افغان ہوتا ہے خواہ وہ افغانستان کا ہو یا نیپال کا یا بھوٹان کا"۔

مجاز تقریر کئے جا رہے تھے اور بوائے غریب پریشان کھڑا تھا ۔ اسے نجات کس طرح ملی یہ بات مجھے یاد نہیں ۔

ایک اور شام مسعود اختر جمال کے مکان پر مجاز جامِ شراب میں ستاروں کی تنک تابی دیکھ رہے تھے اور نشے نے انہیں مُردوں سے نڈر اور زندوں سے بے خوف بنا دیا تھا ۔ ان کا احساسِ مزاح جاگ رہا تھا ۔ کمرے میں ایسی فضا تھی جیسے یہ جہاں اور ہے ۔ کانپور کے ایک مقامی شاعر بیٹھے ہوئے تھے ، جن کا ایک ہاتھ

بڑا تھا اور ایک چھوٹا ایک مقامی سیاسی کارکن بھی موجود تھے جن کا ایک پیر بڑا تھا اور ایک چھوٹا۔ مجاز مسکرائے اور ان دونوں کو مخاطب کر کے بولے "اگر اللہ میاں آپ دونوں کو ملا کر ایک آدمی بنا دیتا تو کیا حرج تھا؟"

اور اس دن کے بعد سے مجاز کے یہ دونوں پرستار ہر جگہ ان کی نثریہ ہجو پڑھا کرتے۔

مجاز جیسے حاضر جواب میں نے کم دیکھے ہیں (اور شاید کوئی نہیں دیکھا) وہ حاضر جوابیوں اور لطیفوں کے طوفان میں سب کو بہا لے جاتا ہے۔ اس کی زندگی ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ اس کا ذہن ہر موقع سے مطابقت رکھنے والے لطائف کا ذخیرہ رکھتا ہے۔ ادیبوں کے لطیفے، طالب علموں کے لطیفے، خود اس کے اپنے بیتے ہوئے لطیفے اور ایسے لطیفے بھی جنہیں وہ تیزی کے ساتھ گھڑ لیتا ہے۔ نشے کے ساتھ لطیفے اسے یاد آتے جاتے ہیں اور تخلیق بھی ہوتے جاتے ہیں۔

مجاز کے بیان کردہ سارے واقعات صحیح ہیں یا غلط، یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ میرا کام تو یہیں پر ختم ہو جاتا ہے کہ آپ کو دو چار واقعے سنا دوں، ہاں میرا دل یہ ضرور کہتا ہے کہ مجاز جیسا معصوم آدمی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ واقعے گزرے ضرور ہیں، خواہ وہ اس کی اپنی خیالی دنیا میں گزرے ہوں۔

مجاز صاحب لاہور گئے۔ فیض نے پوچھا۔

"کہو مجاز لاہور پسند آیا؟"

بولے "ہاں، شہر تو اچھا ہے مگر پنجابی بہت رہتے ہیں۔"

لکھنؤ کی سالانہ نمائش اُس رومانوی سر زمین کی اور تمام چیزوں کی طرح بڑی رومانی ہوتی ہے۔ ہر شام رنگین آنچلوں سے ستارے دمکتے ہیں۔ ایک بڑی ہی حسین شام کو مجاز کچھ دوستوں کے ساتھ نمائش میں ٹہل رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ ان کا مصرح کتنا سچا ہے

فردوسِ حسن و عشق ہے دامانِ لکھنؤ

اچانک اسلام مچھلی شہری نظر آئے۔ ہر نمائش گاہ میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ بچوں کے کھونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ مجاز صاحب مائیکروفون کے نگران

کے پاس مسکراتے ہوئے پہنچے اور پھر تھوڑی دیر بعد اعلان ہورہا تھا ۔

"ایک بچہ جس کا نام سلام ہے ، اور صورت سے مچھلی شہری معلوم ہوتا ہے کھوگیا ہے ۔"

مال روڈ کان پور کی بڑی خوبصورت سڑک ہے ۔ جب اُجالا اور اندھیرا ہر شام آپس میں گلے ملتے ہیں تو یہ سڑک سرمئی رنگوں کو جنم دیتی ہے ۔ سنہرے بال ہلکی ہری روشنی میں چمک اٹھتے ہیں اور نیلی آنکھیں اور بھی گہری ہو جاتی ہیں ۔ سیاہ آنکھیں ان کہی کہنے لگتی ہیں ۔ رات کی رانی آس پاس بنگلوں سے ہوا کی لہروں کے ساتھ باہر سڑک پر نکل آتی ہے اور سب جان لیتے ہیں کہ یہ رات کی رانی ہے ۔ لیجئے میں تو افسانہ لکھنے لگا ۔

ایک شام اسی سڑک پر مجاز ، جمال، میں اور کچھ اور دوست ٹہل رہے تھے ۔ جمال صاحب کو پیشاب لگا ۔ وہ سڑک کے ایک کنارے بیٹھ کر اس کار خیر میں مصروف ہو گئے ۔ ایک ہی لمحے کے بعد مجاز بھی ان کی ہمنوائی کر رہے تھے ۔ پیشاب کرتے جاتے تھے اور کہہ رہے تھے ۔ آؤ تم لوگ بھی باجماعت پیشاب کر لو ۔"

الہ آباد میں کوئی مشاعرہ تھا ۔ کافی اچھے شاعر گئے ہوئے تھے مجاز اور جذبی بھی شرکاء میں تھے ۔

ایک رات سب کھانے کی میز پر تھے ۔ کچھ لوگ کھانا کھا چکے تھے ۔ اور کچھ ابھی کھا رہے تھے ۔

مجاز نے جذبی سے کہا "یار اٹھو جی"

جذبی بولے "ذرا ٹھہر جاؤ رایتہ پی لوں تو چلوں"

بس مجاز بیٹھ گئے اور کہنے لگے اس مضمون کو اگر میر کہتے تو یوں کہتے

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک رایتہ کھا سو گیا ہے

اور اقبال کہتے تو یوں کہتے

حیف ! شاہیں رایتہ پینے لگا

اور فراق کہتے تو یوں کہتے

ٹپک رہا ہے ان آنکھوں سے رایتہ کچھ کچھ

اور اختر شیرانی کہتے تو یوں کہتے

رایتہ جو رخِ سلمیٰ پہ بکھر جاتا ہے

اور فیض یوں کہتے

رایتہ تجھ کو پسند ہے مرے ہمدم مرے دوست

اور جذبی تم تو یوں کہتے

ابھی چلتا ہوں ذرا رایتہ پی لوں تو چلوں

ایک دن مجاز اپنے بیتے ہوئے واقعے سنا رہے تھے ۔ میں نے کہا "آپ کی حاضر جوابیاں مسلم ہیں ، لیکن یہ تو بتائیے کہ کبھی آپ کو بھی شرمندگی اٹھانی پڑی ہے "۔

چونکے اور بولے "کیا مطلب؟"

"مجاز صاحب اتنے چونکنے کی کیا بات؟ میرا مطلب یہ ہے کہ کبھی کسی کی حاضر جوابی نے آپ کو بھی خاموش کیا ہے ؟"

یہ بات سن کر ذرا شرمائے اور پھر بولے "ہاں زندگی میں دوچار ایسے واقعے بھی گزرے ہیں"۔

مجاز کی شکست کے دوچار واقعے آپ بھی سن لیجئے ۔

مجاز بمبئی کے ایک مشاعرے میں اپنا کلام سنانے کھڑے ہوئے ۔ لوگ فرمائشیں کرنے لگے ۔ کس نے کہا "آوارہ" پڑھئے ۔

ایک سُریلی آواز نے کہا "اعتراف" سنائیے۔

کسی اور نے کہا "بُتانِ حرم" سنائیے ۔

ایک بمبیا سیٹھ بھی بولے ۔ "مزاج صاحب ! وہ نجم سنائیے

رہبری چالو رہی پیگمبری چالو رہی ۔"

مجاز کے قدم مشاعرے کے اسٹیج پر لرز گئے ۔ مجاز کی نظم "خوابِ سحر"

کا ایک مصرع یہ بھی ہے

رہبری جاری رہی ، پیغمبری جاری رہی

بمبئی میں مجاز صاحب سہراب مودی کے یہاں اپنی نظم "اعتراف" سنا رہے تھے ۔ سہراب مودی کے علاوہ فضلی صاحب اور مہتاب بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور مہتاب کی گود میں ان کی نوزائیدہ بچی مسکرا رہی تھی ۔

مجاز صاحب پورے جذبے کے ساتھ لہک لہک کر پڑھ رہے تھے ۔

میں نے مانا کہ تم اک پیکر رعنائی ہو
طلعتِ مہر ہو ، فردوس کی برنائی ہو
چمن دہر میں روح چمن آرائی ہو

اور جب وہ اس مصرع پر پہنچے کہ

بنتِ مہتاب ہو گردوں سے اُتر آئی ہو

تو فضلی صاحب نے مہتاب کی بچی کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا ۔ "مجاز صاحب ! آپ سے ملئے ۔ آپ بنت مہتاب ہیں ۔"

پھر مجاز سے نظم نہ پڑھی گئی ۔

ایک اور مجلس میں مجاز اپنی نظمیں سنا رہے تھے ۔ ایک محترمہ نگار سلطانہ بھی موجود تھیں وہ اپنے زمانے کی خاصی مشہور اور مقبول اداکارہ تھیں ۔

جب مجاز نے یہ مصرع پڑھا

میرے لب تک لب لعلین نگار آہی گیا

تو محترمہ چمک کر بولیں "مجاز صاحب! ابھی کہاں آیا" اور مجاز کے ہونٹ سچ مچ خشک ہو گئے ۔

اور ایک مرتبہ جوش صاحب کی بیوی نے کہا "جوش صاحب کو مجاز نے خراب کیا ہے "۔ مجاز کا کہنا ہے کہ اس سے بڑی تہمت ان پر کبھی نہیں لگائی گئی ۔

مجاز جب شراب پینی شروع کرتے ہیں تو جگر صاحب کے شعر پڑھتے ہیں جب کچھ نشہ چڑھنے لگتا ہے تو جگر صاحب سے اکتا کر جوش کی طرف توجہ کرتے

ہیں اور جلد ہی جوش صاحب کو چھوڑ کر اقبال کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے ۔ اقبال ان کا حرف آخر ہے ۔

عہد حاضر کے جدید اور ترقی پسند شعراء میں مجاز زبان کی رعنائیوں کے سب سے بڑے مزاج داں ہیں لیکن وہ روایتی اہل زبان کی طرح اقبال کی زبان یا اسلوب سے نہیں چڑھتے ۔

ایک دن مذکر و مونث الفاظ کی بحث ہو رہی تھی ۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ "فکر مونث ہے یا مذکر ؟"

ہر کسی نے حسب توفیق یا حسب مذاق فکر کو مذکر یا مونث قرار دیا ۔

مجاز بڑے زوروں میں پی رہے تھے ۔ سر اُٹھا کر بولے اقبال کو پڑھا کرو ۔ سب مسئلے حل ہو جائیں گے "فکر" خود تو مونث ہے لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی شاندار ترکیب استعمال کی جائے تو یہ لفظ فوراً مذکر ہو جائے گا ۔ اقبال نے کہا ہے

"فکر فلک پیما کیا"

مجاز پیتے ہیں اور بڑے زوروں سے پیتے ہیں اور یوں کہ عالم سے بے خبر ہو جاتے ہیں ۔ اپنوں کو بیگانہ اور بیگانوں کو یگانہ سمجھنے لگتے ہیں اور آدمی کو کاٹ کھانے کیلئے دوڑتے ہیں ۔ لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں کہ ان کا ذکر آتے ہی وہ سنبھلنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ہوش میں رہنے کی جدوجہد کرتے ہیں ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محفل میں آجائے تو مجاز کا سر جھک جاتا ہے ۔ وہ ٹھنڈی آہ بھرتا ہے اور سر جھکا کر کہتا ہے ۔

باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

اور ان کیلئے ایک دوسری قابل عزت و تعظیم چیز ان کی مادر علمی "علی گڑھ یونیورسٹی" ہے ۔۔۔۔۔۔

حسنین کاظمی نے اپنے مکان پر ایک مختصر سی بزم مشاعرہ ترتیب دی ۔ مجاز صاحب اس زمانے میں ہم لوگوں کے خاصے اچھے دوست بن گئے تھے ۔ وہ بھی آئے اور اس دن حسنین نے انہیں وہسکی پلائی مجاز نے بہت دنوں سے کوئی

اچھی شراب نہیں پی تھی اس لئے خوب پی اور مشاعرے میں ہوش وحواس کھو بیٹھے ۔

ہم لوگ بہت کہتے رہے کہ مجاز صاحب کچھ تو پڑھئے اور وہ بگڑ رہے تھے منہ سے جھاگ اڑ رہے تھے "نہیں پڑھتے ۔ ہم فنکار ہیں، کسی کے غلام نہیں ۔ بھاگ جاؤ" ۔

حاضرین میں سے ایک صاحب شاید خود حسنین کالی شیروانی پہنے ہوئے تھے مجاز نے پوچھا "آپ علیگ ہیں ؟"

وہ صاحب بولے "جی ہاں ۔ مگر مجاز صاحب آپ تو اپنے نشے میں علی گڑھ کا نام ڈبو رہے ہیں ۔"

مجاز آبدیدہ ہوگئے ۔ کہنے لگے ۔ "مجھے معاف کردیجئے ------ اب ----- اب ------- م ------ میں ------- ضرور ------- ضرور پڑھوں گا ------ ع ------- علی گڑھ کی عزت میری ------- ع ------- عزت ہے اسکی عزت کیلئے میں سب کچھ قربان کر سکتا ہوں اپنی خودی بھی ۔" اور پھر مجاز نے اپنی ساری قوتوں کو جمع کرکے پڑھنا شروع کردیا ۔

سرشار نگاہ نرگس ہوں ، پابستہ گیسوئے سنبل ہوں
یہ میرا چمن ہے میرا چمن میں اپنے چمن کا بلبل ہوں

اس فرش سے ہم نے اُڑ اُڑ کر افلاک کے تارے توڑے ہیں
ناہید سے کی ہے سرگوشی ، پروین سے رشتے جوڑے ہیں
اس بزم میں تیغیں کھینچی ہیں ، اس بزم میں ساغر توڑے ہیں
اس بزم میں آنکھ بچھائی ہے ، اس بزم میں دل تک جوڑے ہیں

مجاز اسی طرح پڑھتا رہا ۔ ایک ایک مصرع بار بار پڑھا ۔ بار بار دہرایا خود رویا، دوسروں کو رلایا ، اس کی آنکھوں سے آنسو گر گر کر گرتے کے دامن میں

جذب ہوتے رہے اور گرتے رہے ، اور جب نظم ختم ہوئی تو سب سوچ رہے تھے ۔

یہ ابر ہمیشہ برسا ہے ، یہ ابر ہمیشہ برسے گا

مجاز کی زندگی کا بڑا حصہ رومانی دھندلکوں میں گزرا ۔ کسی نے اپنی آنکھوں میں خمار شب کے ساتھ ہنگام سحر اُس کا خیر مقدم کیا ۔ اپنے عشقوں میں وہ ناکام نہیں رہا ۔ اس کے یہاں بڑا ہی نشاط رہا ۔ مجاز کا دعوٰی ہے کہ

کامرانی ہے پرافشاں مرے رومانوں میں

کسی نے دلداریٔ نسیم بہاراں ، تابندگی صبح درخشاں اور ہنسی کے نرم طوفان میں شمع فروزاں کے ساتھ اس کا انتظار کیا ہے ۔ کسی کے کِھلے ہوئے لبوں کے گلستان نے اس کی عیادت کی ہے ۔

وہ جب تک علی گڑھ میں رہا گرلز کالج اور یونیورسٹی کی لڑکیوں کے خوابوں پر حکومت کرتا رہا ۔ لڑکیاں اس کے لئے خواب دیکھتیں اور مجاز نئی نئی فتوحات حاصل کرتا رہا ۔ اس کی زندگی بستر مخمل و سنجاب تھی ۔ اس کی جنت شوق بیگانۂ آفاتِ سموم تھی اور اس کی نگاہوں میں بزمِ پرویں کنیزوں کے ہجوم سے زیادہ نہیں جچتی تھی کہ اچانک ایک زہرہ جبیں بہت سی کہکشانیوں کے ساتھ اس کی زندگی میں داخل ہوئی ۔ اس کی زندگی کو تھوڑے سے نور کی ضرورت تھی اور یہ نور اس ستارے نے اسے بخش دیا ۔ لیکن نور کے جلو میں سوز بھی ہوتا ہے ۔ وہ زہرہ جبیں مجاز کو نور اور سوز دیکر اس کی زندگی سے بہت دور چلی گئی ۔ وہ ایک بڑے لیڈر کی بیٹی تھی اور پھر ایک بڑے آدمی کی بیوی بن گئی ۔

جس نرم رو شاعر نے کئی دلوں کو جیتا تھا، جس کی یاد نے کتنے ہی دلوں میں کسک بھر دی تھی ، آخر خود بھی پہلی اور آخری ناکامی سے دوچار ہوا ۔ بہت سی فتوحات کے بعد یہ ناکامی زیادہ تکلیف دہ تھی اور اس نے مجاز کی ساری زندگی کو یکسر بدل دیا اب اسے معلوم ہوا کہ اس نے

سنگ کو گوہر نایاب و گراں جانا تھا
دشتِ پُر خار کو فردوس جواں جانا تھا

ریگ کو سلسلۂ آبِ رواں جانا تھا
آہ یہ راز ابھی میں نے کہاں جانا تھا
میری ہر فتح میں ہے ایک ہزیمت پنہاں
ہر مسرت میں ہے راز غم و حسرت پنہاں

یہیں سے مجاز کی زندگی نئے موڑ کی طرف مڑی ۔ وہ گھبرا کر سوئے جام شراب دوڑا لیکن اس شکست کے بعد پھر سنبھلا رہا ۔ شراب پیتا ضرور لیکن جام، ساز اور شمشیر کو ہم آہنگ کر دینا اس کی نئی فتح تھی ۔ اور پھر جب ایک دن وہ زہرہ جبیں مجوب سی ، شرمائی ہوئی سی اس سے معافی مانگنے آئی تو اس کی سوئی ہوئی خودداری چونک پڑی اور اس نے کہا کہ

اب مرے پاس تم آئی ہو تو کیا آئی ہو

بہت سے رومان تو اس کی زندگی کے کھیل رہے ، لیکن اس زہرہ جبیں کا عشق ذرا مہنگا سودا تھا اور مجاز گھاٹے میں رہا ۔ ذاتی محرومیاں اسکی زندگی پر چھا گئیں لیکن اس خیال سے ذرا تسکین ہو جاتی ہے کہ اس مہنگے سودے کے بغیر مجاز "اعتراف" جیسی نظم کبھی نہیں لکھ سکتا تھا ۔

شراب بھی مجاز کو اس زہرہ جبیں کی یاد سے نجات نہ دلا سکی۔ وہ شراب پیتا جاتا اور اسے یاد کئے جاتا اس کا نام دہراتا جب ضبط نہ کر پاتا تو سرگوشیوں میں قصۂ عشق سنانے لگتا۔علی گڑھ کی نمائش کی رنگین راتیں اور پھر اسی زہرہ جبیں کی خاطر خلد علی گڑھ کی ہزاروں رنگین محفلیں چھوڑ کر وہ دہلی آگیا ۔ اس کی خاطر اس نے کتنے ہی رنگین عہد وپیماں توڑ دیئے دریا گنج کی ایک کوٹھی نے دو جوان دلوں کی دھڑکنیں سنیں اور

خدا بھی مسکرا اٹھتا تھا جب یہ پیار کرتے تھے

اس کوٹھی نے دیکھا کہ گرمیوں میں دو دلوں کی دھڑکنیں آپس میں الجھ جاتیں ، لیکن ایک دن بد نصیب شاعر کو اپنا نشیمن چھوڑنا پڑا ۔ اس نے نغمہ چھیڑا بھی نہ تھا کہ ساز ٹوٹ گیا ۔ یہ نشیمن اس نے چھوڑا نہیں بلکہ اس سے چھٹ گیا پھر اس نے الہ آباد اور لکھنو کے دامن میں پناہ چاہی۔ لکھنو کو اپنا نجد اور اپنے

غزالوں کا جہاں بنایا۔ الٰہ آباد کے بتانِ ناز پرور کو اُس نے دعوت دی اور یہ کہتے ہوئے کہ

مجھے دیکھو، میں ایک ترک شہابی ہوں

لیکن دہلی نے اس کے دل میں جو داغ پیدا کر دیا تھا وہ گھٹ نہ سکا بڑھتا گیا۔ بڑھتا ہی گیا۔ اور اس نے مجاز کو تھکا دیا اور اس نے اسے "ایک گرتی ہوئی شہنشاہیت" میں بدل دیا۔ اس زہرہ جبیں کا نام آتے ہی مجاز کی پلکوں پر ستارے چمکنے لگتے۔ اس کی زندگی میں کتنا کرب ہے؟ یہ کون جانے۔ شراب بھی اسے بے خودی نہ دے سکی۔

مجاز کے دل میں عورت سے اب بھی نفرت نہیں پیدا ہوئی۔ شراب اور حسین چہرے ہی تو اسکی کمزوری ہیں۔ مہدی الافادی کی طرح وہ بھی اس بات کا قائل ہے کہ "دنیا کی ہر حسین عورت میری رشتہ دار ازلی ہے" لیکن کبھی کبھی اس کی طبیعت میں بڑا سخت رد عمل پیدا ہوتا ہے۔ وہ عورت سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ شہزادیاں آنکھوں کے دریچوں سے دل کی نگری پر قبضہ کر لیتی ہیں اور پھر زندگی سے بہت کچھ لے کر اور محض ایک داغ دیکر ہمیشہ کے لئے چلی جاتی ہیں۔

ایک شام مجاز صاحب کانپور میں مسٹن روڈ پر ٹہل رہے تھے۔ جب پیسے کم ہوتے اور شراب نہ ملتی تو مجاز مونگ پھلی کھانی شروع کر دیتے اور بے تحاشا۔ کرتے کی دونوں جیبیں مونگ پھلیوں سے بھری ہوتیں اور دونوں ہاتھوں میں مونگ پھلیاں لئے ہوتے۔

مجاز اس شان سے ٹہل رہے تھے کہ قریب سے ایک ٹانگے پر دو لڑکیاں گزریں۔ بہت سی رعنائیوں کے ساتھ۔ شاید یہ دونوں بہنیں تھیں۔ بڑی بہن کو مخاطب کرتے ہوئے چھوٹی بہن نے کہا۔

"دیکھو بجیا! یہ ہے مجاز"

اور مجاز پر تو ان لفظوں سے دورہ سا پڑنے لگا اس کے منہ سے جھاگ بہنے لگا اور وہ سڑک پر ہی چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

"سنتے ہو! کیا کہہ گئی بجیا یہ ہے مجاز اور ان لڑکیوں کا کام ہی کیا ہے۔ یہ تو ہماری

زندگیوں میں اسی طرح ہنستی ہوئی آتی ہیں اور ہنستی ہوئی چلی جاتی ہیں اور ہم سے سب کچھ چھین لیتی ہیں ۔ ادیب اور شاعر کی شخصیت اور اس کی آوارہ مزاجی سے محبت بھی کرتی ہیں لیکن خارزاروں میں ساتھ نہیں دیتیں ۔ کسی آئی سی ایس سے شادی کرنے کے خواب دیکھتی رہتی ہیں اور شملہ ، مسوری یا نینی تال کی کوئی شام انہیں کسی موٹے اور بھدے سے آئی سی ایس یا تاجر سے وابستہ کر دیتی ہے اور ہماری زندگیوں کی تمام روشنیاں بجھ جاتی ہیں ۔

میری طرف اشارہ کیوں کیا؟ کیوں کہا یہ مجاز ہے ۔ ایسا کرنے کا اسے کیا حق تھا؟ یہ سب سالیاں اپنے آپ کو "اعتراف" کی "بنت مہتاب" سمجھنا چاہتی ہیں ۔ اپنے آپ کو دھوکا دینا چاہتی ہیں"۔ اور مجاز دیر تک یوں ہی بولتا رہا ۔

مجاز بڑا ہی ذہین ہے ۔ اگر اس کی شخصیت عظیم ہے تو اسکا فن عظیم تر ہے ۔ مجاز کو احساس ہے کہ وہ شراب کا محتاج ہے اور اسی وجہ سے اسے دوسروں کا دست نگر بننا پڑتا ہے ۔ وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پتوار اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتی ہے ۔

۱۹۴۶ء کی بات ہے مجاز کے شب و روز بہت ہی محدود ہو گئے تھے ۔ شام ہوتے ہی وہ شراب پینے لگتا اور پیشاب کرتا رہتا ، پیشاب کرتا رہتا اور شراب پیتا رہتا اور پھر نشے میں دو عالم سے غافل ہو جاتا۔ تھک کر سو جاتا اور صبح کو دس گیارہ بجے اٹھتا اور پھر سارے دن بیکار بیٹھے ہوئے شام آنے کا انتظار !

اس کی صحت بہت خراب ہو چکی تھی ۔ شراب کے دو تین گلاس ہی اسے بالکل بدل دیتے ۔ اس کی سانس پھولنے لگتی اس کے اعصاب جواب دینے لگتے اور پھر مجاز سب کچھ کر سکتا تھا اور صبح کو شرمندہ اور محجوب نظر آتا ۔ اسے ان ساری باتوں کا احساس تھا لیکن وہ چاہتا کہ زندگی یوں ہی گزر جائے۔ وہ کثرت سے شراب پیتا لیکن اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ لوگ کہیں ۔

"مجاز کو شراب نے شکست دیدی اور تھکا دیا"

اکثر شراب پیتے ہوئے مجھ سے پوچھتا۔

"کیا میں بہت شراب پیتا ہوں؟"

میرا جواب ہمیشہ ایک ہی ہوتا۔

"نہیں"

اور پھر مجاز معصوم بچے کی طرح خوش ہو جاتا۔ کاش میں اس سے کہہ سکتا کہ اب تو تمہارا چہرہ فروغِ مے سے بھی گلستان نہیں ہوتا۔

جب لوگوں کی نصیحتیں حد سے گزر جاتی ہیں تو مجاز ان کی نہیں، اپنی تسلی کیلئے ایسے شعر کہہ لیتا ہے

مجاز اک بادہ کش تو ہے یقیناً
جو ہم سنتے تھے وہ عالم نہیں ہے!

اتنا تھکنے کے بعد بھی مجاز میں ہمارے ادب کے بہت سے اونچے شاعروں سے زیادہ دم خم ہے لیکن "جشنِ آزادی" اور "فکر" جیسی نظمیں کہنے کے بعد جب وہ یہ کہتا ہے

"تاجِ وطن کا لعلِ درخشاں چلا گیا"

تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اپنی مملکت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی مملکت میں آگیا ہے۔ باوقار الفاظ اور بارقص ترکیبیں بھی اس کی وجدانی کیفیتوں اور تاثیر سے خالی نظر آتی ہیں۔

ہمارے ذہین شاعر کبھی کبھی اپنی ساری زندگی دوچار مصرعوں میں دھرا دیتے ہیں۔ آپ اس سے زیادہ کہنے کیلئے کتنی ہی کاوش کریں لیکن اضافہ نہیں کر سکیں گے۔ فانی کا وہ شعر تو آپ نے سنا ہوگا اور محسوس کیا ہوگا کہ یہ شعر فانی کی زندگی پر مکمل ترین تبصرہ ہے

اک عمر پرستارِ شبِ ہجر رہا تھا
اے زلف سیہ! ماتمِ فانی میں بکھر جا

اور مجاز نے کہا ہے

شدت کرب میں ڈوبی ہوئی میری گفتار
میں کہ خود اپنے مذاق طرب آگیں کا شکار

وہ گداز دل مرحوم کہاں سے لاؤں
اب میں وہ جذبۂ معصوم کہاں سے لاؤں

کیا یہ جذبۂ معصوم اب کبھی نہیں آئے گا؟ کچھ کہتے ہوئے بڑا ہی دکھ ہوتا ہے۔



یہ لوگ بھی غضب تھے

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی